انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے پیار کا قرب حاصل کرے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ر فروری ۱۹۶۹ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

☆ اللہ تعالیٰ تمہارے اندرونی راز اور گہرے خیالات سے بھی واقف ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا۔
☆ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے بغیر کوئی شے ترقی نہیں کرسکتی۔
☆ انسانی فطرت قرب خاص کی خواہش رکھتی اور اس کی متلاشی ہے۔
☆ عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے۔

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:۔

فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ قَرِيۡبٌ مُّجِيۡبٌ (ھود:۶۲)

اس کے بعد فرمایا:۔

قرآن مجید سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب تین قسم کا ہے ایک قرب عام ہے اور اس قرب کو پانے والے ہر قسم کے درخت جانور اور ہر قسم کی مخلوقات (جس میں انسان بھی شامل ہے) اس قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں فرمایا ہے کہ وہ اپنی قدرت اور علم سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے وہ ہر چیز کو جانتا ہے، ہر چیز سے باخبر ہے، درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا کہ وہ اس کے علم اور منشاء کے مطابق نہ ہو اور جو دانے انسان کی نظر سے زمین سے اوجھل ہو جاتے ہیں ان پر بھی اس کی نگاہ ہوتی ہے کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ انسان کو اس نے کہا کہ میں تمہارے اندرونی راز اور گہرے خیالات سے بھی واقف ہوں۔ قرآن کریم کی بیسیوں آیات اللہ تعالیٰ کے اس قرب عام کی طرف اشارہ کرتی ہیں کیونکہ قرب کے بغیر اس قسم کا علم تصور میں نہیں آ سکتا۔ اس قرب کو ہم قرب خالقیت و قیومت اور ربوبیت بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ کسی چیز کے سب سے قریب وہی ہستی ہوتی ہے جو اسے بنائے اور پیدا کرے۔ پس جس ہستی کے دست قدرت سے مخلوق معرض وجود میں آئی اور جس نے اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کو وہ خواص عطا کئے جو اس نے عطا کئے۔ وہی اس مخلوق کو اور اس کے خواص کو بہترین طور پر جانتی ہے اور اس کے قریب تر ہے۔ جس نے پیدا کیا وہی اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو جانتا ہے۔ یہ بات ہو ہی نہیں سکتی کہ کسی غیر کو اس خالق کی مخلوق کے متعلق پورا علم ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے دنیا کا کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ انسان نے سائنس کے ذریعہ بہت سے علوم حاصل کئے ہیں اور سب عقلمند سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ ابھی وہ علوم کے سمندر کے کنارے پر کھڑے ہیں۔

غرض پیدا کرنے والے نے جو خواص کسی چیز میں رکھے ہیں اس کا کچھ علم انسان اس پیدا کرنے والے کی دی ہوئی طاقتوں سے حاصل کر لیتا ہے لیکن اس کا حقیقی علم اس کے متعلق پوری اطلاع اور اس کے خواص کی حقیقت کو وہ نہیں پا سکتا۔

غرض خلق یعنی پیدائش کا ایک قرب ہے ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے دست قدرت سے نکلی ہے اور یہ ایک قرب ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر حیات ہر چیز اور اس کے خواص کی بقا اسی کے سہارے کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دست قدرت ہر آن اور ہر وقت ہر شے کے خواص کو سہارا دیئے ہوئے ہے اور اسی کی وجہ سے وہ قائم ہے جب یہ قرب بُعد میں بدل جائے اور اس کا سہارا نہ رہے۔ یعنی جس چیز سے وہ اپنے سہارے کو کھینچ لے اس پر فنا آ جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے صرف خلق ہی نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بعض صفات اور خواص ہی عطا نہیں کئے بلکہ اس نے قانون ارتقا بھی جاری کیا اور ہر ایک کو اپنے سہارے کے ذریعہ اس کے کمال تک پہنچانا چاہا ہے غرض خلق کی وجہ سے اور قیومیت کے نتیجہ میں ہر آن ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سہارے کی محتاج ہے اور اس کی ربوبیت کے بغیر کوئی شے ترقی نہیں کر سکتی اور اپنے دائرہ کے اندر کمال کو نہیں پہنچ سکتی۔ یہ تین صفات (خالقیت، قیومیّت اور ربوبیت) جلوہ گر ہو کر قرب عام کا نظارہ پیش کرتی ہیں۔ ہر چیز بوجہ مخلوق ہونے کے اور خدا تعالیٰ کے سہارے اور ربوبیت کے محتاج ہونے کی وجہ سے اس کے قریب ہے کیونکہ خالق قیوم اور ربّ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے قریب آتا ہے تا ہر شے کی پیدائش کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو۔ اس قرب عام میں انسان اور غیر انسان سب برابر ہیں۔ اس قرب کے لحاظ سے جس طرح انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہے اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے اسی طرح ایک بیل، ایک درخت اور ایک پتھر بھی خدا تعالیٰ کا قرب رکھتا ہے کیونکہ بُعد ہلاکت ہے بُعد فنا ہے۔ غرض ہر وہ چیز جو ہلاک شدہ نہیں اور فنا کا طوفان اس پر نہیں چلا وہ بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب عام اسے حاصل ہے۔ اس میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے انسان اور غیر انسان میں کوئی فرق نہیں لیکن انسانی فطرت اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی بنائی ہے کہ وہ صرف اس قسم کے قرب سے تسلی نہیں پاتی بلکہ وہ قرب خاص کی خواہش رکھتی اور اس کی متلاشی ہے لیکن اس قرب تک پہنچنے میں ایک اور قرب بھی بیچ میں آ جاتا ہے اور یہ دوسری قسم قرب کی اور پھر تیسری قسم قرب کی صرف انسان سے تعلق رکھتی ہے۔

دوسری قسم قرب کی جس کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ کے قہر کا قرب ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کا بندہ بنے اور اس کا مقرب بن جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کر کے اور اس سے طاقت پا کر اپنی استعدادوں کو اس کی راہ میں اس طرح ترقی دے اور اپنے خواص کو اس کے نور سے کچھ اس طرح اُجاگر کرے کہ وہ قرب (بندگی کا قرب) اسے حاصل ہو جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے لیکن بعض انسان اس سے دور بھاگتے ہیں اور جب ایسے انسان اپنے ربّ سے دور جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا پیچھا کرتا ہے اور اپنے قہر کے قرب سے ان کو واپس لاتا ہے جس طرح کسی زمانہ میں بھاگنے والے غلام پر کوڑے برسائے جاتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے غضب کا کوڑا ایسے لوگوں پر پڑتا ہے اور ان کی واپسی کے سامان پیدا کرتا ہے۔ اسی قرب کی قسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ مُحِيطٌ بِالْكٰفِرِينَ کہ وہ ان لوگوں کو جو اس کے منکر ہیں اور اس کی ذات اور صفات کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے اس سے دوری کی راہوں کو اختیار کرتے ہیں اپنے غضب کا نشانہ بنانے کیلئے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے وہ ان پر اپنا غضب نازل کرتا ہے اور اس طرح انہیں پھر واپس لے آتا ہے۔

یہ دوسری قسم قرب کی گو صرف انسان سے تعلق رکھتی ہے لیکن ایک ایسے بدبخت انسان سے تعلق رکھتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تو اپنی رحمت میں زندگی گزارنے کیلئے پیدا کیا تھا لیکن وہ ناشکری اور ناقدری کرتے ہوئے جاہلانہ راہوں کو اختیار کرتا اور بُعد اور دُوری کے راستوں پر چل پڑتا ہے۔ پس گو یہ قرب صرف انسان سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس قرب کی وجہ سے نہ کوئی انسان خوش ہو سکتا ہے اور نہ اس کے لئے یہ کوئی فخر کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس لئے اس کے قریب آیا کہ اس کے غضب کا کوڑا اس پر برسے۔ لیکن یہ قرب ضروری تھا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ظاہر نہ ہوتی تو انسان کو یہ علم نہ ہو سکتا کہ کن باتوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان اس کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم کا قرب رحمت کا قرب ہے جب اللہ تعالیٰ انسان سے پیار کرنے کے لئے اس کے قریب آجاتا ہے اور اسے اپنا دوست بنا لیتا ہے اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور اس کے لئے دنیا میں انقلابات عظیمہ پیدا کرتا ہے جو دنیا کے دلوں میں تبدیلی پیدا کر کے انہیں غلاموں کی طرح دوڑاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ اس قرب کے مختلف مدارج ہیں اور اس کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ اس قسم کا

قرب پانے والے انسان پر صرف اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کے جلوے ہی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اس پر اس کے مجیب ہونے کے جلوے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ پس یہ قرب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا قرب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قریب اور مجیب صفات کے جلوؤں کا قرب ہے یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے قریب بھی ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ میں مجیب ہوں۔

میں نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی ہر شئے کے قریب ہے لیکن انسان کے علاوہ جو مخلوق ہے جو ذی شعور نہیں ان کو یہ علم نہیں کہ ان کے اندر خدا تعالیٰ کا نور بھی جلوہ گر ہے اس کا حسن بھی جلوہ گر ہے اس کی ربوبیت بھی جلوہ گر ہے، اس کی خالقیت بھی جلوہ گر ہے، اس کی قیومیت بھی جلوہ گر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قریب تو ہے لیکن ان پر اللہ تعالیٰ کی صفت مجیب کا جلوہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس کام کے لئے بنے ہی نہیں۔ دوسری قسم کا قرب بھی گو انسان سے مخصوص ہے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے جلوے تو ظاہر کرتا ہے مگر پیار سے اپنے مجیب ہونے کے جلوے ظاہر نہیں کرتا ہاں وہ قہر اور غضب کے جلوے ظاہر کرتا ہے۔ تیسری قسم کا قرب پیار کا قرب ہے اسی کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایک ایسا گروہ تھے جنہوں نے انتہائی تکالیف برداشت کیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ربّ کا ساتھ نہیں چھوڑا اس لئے کہ ان لوگوں پر اس رب کے جلوے ظاہر ہو چکے تھے جو قَرِیْبٌ بھی ہے اور مُجِیْبٌ بھی ہے۔ وہ اپنی زندگیوں میں زندہ خدا کی زندہ تجلی مشاہدہ کرتے تھے اور اس کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو اگر پیسا جائے اور پھر ان کو نچوڑا جائے تو جو شربت اور نچوڑ نکلے گا وہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی۔ یہ لوگ ہر قسم کے مصائب میں سے گزرتے تھے لیکن خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق پختہ رہتا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے وہ اِدھر اُدھر نہیں ہوتے تھے اس لئے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے قریب اور مجیب ہونے کے جلوے دیکھے تھے۔ اس کے بغیر کوئی قوم اس قسم کی قربانیاں پیش نہیں کر سکتی جو صحابہؓ نے پیش کیں۔ اس کے بغیر انسان کی فطرت اس قسم کی تسلی نہیں پکڑ سکتی کہ ایک لگن ہے ایک جوش ہے ایک آگ ہے جو دل میں بھڑک رہی ہے کہ میرا ربّ مجھ سے خوش ہو جائے۔ اس سے میرا تعلق قائم ہو جائے۔ اس قسم کا قرب حاصل نہ کرنے والے انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کے جلوے تو دیکھ لیتے ہیں کیونکہ وہ ذی شعور ہیں اور روحانیت رکھتے ہیں لیکن وہ اسی قسم

کے جلوے ہیں جو ایک درخت پر بھی ظاہر ہوتے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ درخت ذی شعور نہیں اور اسے ان کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کے جلوے بھی دیکھتے ہیں جب وہ اس کے قہر کا قرب کسی اور قوم یا گروہ پر نازل ہوتے دیکھتے ہیں لیکن انہیں یہ علم کیونکر حاصل ہو کہ ان کا ربّ ان سے خوش ہو گیا ہے اس بات کا تو تبھی پتہ لگ سکتا ہے جب قرب رحمت خدا تعالیٰ کے قریب اور مجیب ہونے کے جلوے دکھائے۔ غرض صرف خدا تعالیٰ کے قریب ہونے کا جلوہ فطرت انسانی کو تسلی نہیں دے سکتا اسی لئے انبیاء علیہم السلام اور ان کی باوفا جماعتوں نے اپنے اپنے زمانہ اور استعداد کے مطابق خدائے قریب ہی کے جلوے نہیں دیکھے تھے بلکہ خدائے مجیب کے جلوے بھی دیکھے تھے اور ان کا اپنے پیدا کرنے والے سے ایک زندہ تعلق پیدا ہو گیا تھا اس کے بغیر وہ قربانیاں دے ہی نہیں سکتے تھے۔ اس کے بغیر وہ مقصد حاصل ہی نہیں ہو سکتا تھا جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر نگاہ ڈالیں تو عبودیت کا ایک ایسا سمندر نظر آتے ہیں جس کا تعلق ہمیں اس خدا سے نظر آتا ہے جو ان کے قریب بھی رہا اور جو مجیب بھی تھا۔ یعنی وہ سوال کرتے تھے اور یہ جواب دیتا تھا۔ وہ مانگتے تھے اور یہ عطا کرتا تھا۔ مجیب کے معنی میں یہ دونوں باتیں آجاتی ہیں یعنی اس سوال کا جواب الفاظ میں بھی دینا اور سوال میں جو بھیک مانگی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ فلاں نعمت مجھے عطا کر۔ اس مطلوبہ نعمت کا عطا کرنا جو وہ مانگتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت ہی تھی اور جو خدا تعالیٰ انہیں دیتا تھا وہ بھی اس کی رضا اور محبت ہی تھی اور اپنی ساری مخلوق کو اس نے کہا کہ یہ میرے خاص اور محبوب بندے ہیں تم ان کے کام میں لگ جاؤ اور یہ چیز سچے مذہب اور اس کے پیروؤں کی ایک سچی نشانی ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام کی غرض اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ انسان کا تعلق اس ربّ سے ہو جائے جو محض قریب ہے مجیب نہیں تو اس نے نہ اسلام کی حقیقت کو پہچانا، نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو سمجھا اور نہ مقصد حیات کا اسے کچھ علم ہے۔

تمام مذاہب کا یہی مقصد تھا کہ انسان کا تعلق قریب اور مجیب خدا سے ہو جائے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے یہ مقصد اپنے کمال کو پہنچ گیا یعنی کامل تعلق باللہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی پیروی سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ کے سچے متبعین سینکڑوں سالوں سے قریب مجیب ربّ کے جلوے اپنی زندگیوں میں دیکھتے رہے ہیں

اور اسی وجہ سے وہ اس پر فدا ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا چلا جائے گا۔ فطرت انسانی یہ چاہتی ہے اور اس کے بغیر اس کی تسلی نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے ربّ کو اس طرح پہچانے کہ اس کی ذات اور صفات کے دونوں پہلو اس کے سامنے آ جائیں۔ یعنی ایک قریب ہونے کا پہلو اور ایک مجیب ہونے کا پہلو۔ اس فطرتی تقاضا کو اسلام پورا کر رہا ہے۔ اُمّتِ مسلمہ میں لاکھوں انسان ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے خدا تعالیٰ کے قریب اور مجیب ہونے کے جلوے اپنی زندگیوں میں دیکھے اور جان و دل سے وہ اس پر فدا ہو گئے۔

اگر فطرت انسانی یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کا تعلق زندہ خدا سے اس رنگ میں پیدا ہو جائے کہ وہ اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ کے قریب اور مجیب ہونے کے زندہ جلوے دیکھتی رہے اس کے بغیر وہ تسلی نہیں پا سکتی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے لئے اسلام نے کونسی اصولی تعلیم دی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی آیت میں جو میں نے پڑھی ہے دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اس خدا کے قریب ہونا چاہتے ہو جو قریب بھی ہے اور مجیب بھی ہے اور تم اس کا قرب، اس کی رحمت اور اس کی محبت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو دو چیزوں کو اختیار کرو اور وہ دو چیزیں استغفار اور توبہ ہیں۔ استغفار اس لئے کہ انسان ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ اس کو خدا تعالیٰ نے دو قسم کی طاقتیں عطا کی تھیں ایک نیکی کی اور دوسری بدی کی۔ اس کو اختیار دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ تم کمال قرب کو تبھی حاصل کر سکتے ہو کہ تم اپنی مرضی سے اور میری راہ میں قربانیاں دے کر اس راہ کو اختیار کرو جو میری طرف لاتی ہے اور یہ مرضی ظاہر نہیں ہوسکتی جب تک دونوں چیزوں کا اختیار نہ ہو یعنی بدی کا بھی اختیار نہ ہو اور نیکی کا بھی اختیار نہ ہو۔ یعنی انسان چاہے تو بدی کر سکے اور چاہے تو نیکی کر سکے۔ بدی کی طاقت انسان کے اندر ایک فطرتی نقص پیدا کرتی ہے نفس امارہ غالب آ جاتا ہے اور کمزوریوں کو بالا دستی مل جاتی ہے اور ہوائے نفس کی طرف میلان طبع ہو جاتا ہے۔ اس فطرتی کمزوری کو ڈھانپنے کے لئے استغفار ضروری ہے انسان اپنی ذات میں کامل نہیں لیکن وہ اپنے اس کمال تک پہنچ سکتا ہے جو اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے اور اس کمال تک پہنچنے کے لئے اسے ایک کامل ذات سے طاقت اور علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ استغفار ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ اپنے ربّ کے حضور جھکو اور اس بات کا اقرار کرو کہ اے خدا تو نے ہمیں اپنے قرب کی رفعتوں تک پہنچانے کیلئے دوسری مخلوق سے ممتاز کیا ہے اس معنی میں کہ تو نے ہم میں بدی کی طاقت بھی رکھ دی اور نیکی کی طاقت بھی رکھ دی اور کہا کہ اپنی مرضی سے نیکیوں کو اختیار کرو اور اپنی مرضی سے بدی کو

چھوڑو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہیں قرب کے کمال تک پہنچا دوں گا چونکہ تو نے ہمیں بدی کی طرف میلان بھی دیا ہے اور ہم کمزور انسان ہیں اس لئے ہم اس بدی پر اور اس شیطان پر اس وقت تک غلبہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تو ہماری مدد کو نہ آئے جب تک تیری طاقت کا سہارا ہمیں حاصل نہ ہو پس تو ہمیں سہارا دے تو ہماری مدد کو آ تا کہ ہماری بشری کمزوریاں ڈھک جائیں اور ہم سے بدیاں سرزد نہ ہوں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کثرت سے استغفار کیا کرو اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہاری مدد کو آؤں گا اور تمہاری بشری کمزوریوں کو ڈھانک دوں گا اور تمہاری ترقیات کی راہوں میں جو روکیں ہیں وہ دور ہو جائیں گی اور تمہاری فطرت اپنے بدی کے میلان کو بھول جائے گی اور دوسرا میلان جو روحانی رفعتوں کی طرف پرواز کرنے کا میلان ہے اس میں پوری توجہ سے منہمک ہو جائے گی تا وہ روحانی رفعتوں کی طرف پرواز کرے اور خدا تعالیٰ کے قرب کو پائے۔ پس اس آیت میں قریب اور مجیب خدا سے ملانے کی ایک راہ استغفار بتائی گئی ہے۔

دوسری راہ توبہ کی بتائی گئی ہے جب بشری کمزوریاں دور ہو جائیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان اپنی طاقت سے نیکی کر سکتا ہے یا اپنے اعمال کے اچھے نتائج اپنے زور سے نکال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم عاجزی اور انکساری کے ساتھ میری طرف رجوع کرو اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف بھاگو۔ جب تم اس کی طرف رجوع کرو گے اور اسے پالینے کے لئے اس کی طرف بھاگو گے، اعمال صالحہ بجا لانے کی کوشش کرو گے، دعاؤں میں منہمک رہو گے اور تمہارے سینے خدا تعالیٰ کے ذکر سے معمور رہیں گے تو جس تیزی کے ساتھ تم اس کی طرف بڑھ رہے ہو گے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ وہ رجوع برحمت ہوگا۔

پس استغفار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع یہ دو باتیں اصولی طور پر ایسی ہیں جن کے نتیجہ میں خدائے قریب و مجیب کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ تمام بدیوں سے رکنے کی طاقت استغفار سے ملتی ہے اور طاقت حاصل کرنے کے بعد ہر قسم کی نیکیاں بجالانے کی کوشش ''توبہ'' کے اندر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ رجوع ہو یعنی انسان خود کو کچھ نہ سمجھے اور اس حقیقت پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہو کہ خدا تعالیٰ سے طاقت حاصل کئے بغیر نہ میں نیک اعمال کر سکتا ہوں اور نہ اس کے فضل کے بغیر کسی ظاہری نیک عمل کا اچھا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ عمل کی توفیق بھی اس کے فضل سے ملتی ہے اور عمل کا اچھا نتیجہ بھی اسی کے فضل سے نکلتا ہے۔ پس فرمایا کہ اگر تم استغفار کا طریق اختیار کرو اور توبہ کی

راہ پر گامزن ہو جاؤ تو اس کے نتیجہ میں تم اپنی زندگیوں میں یہ محسوس کرو گے کہ تمہارا ربّ قَرِیبٌ مُجِیبٌ ہے۔ وہ محض قریب ہی نہیں کیونکہ قریب تو وہ ہر شے سے ہے بلکہ وہ مجیب بھی ہے۔

دراصل خدا تعالیٰ کے قرب کے جلوے یا اس کا علم یا اس کی معرفت یا اس پر جو دلائل ہیں وہ اس لئے ہیں کہ انسان ان کے بعد خدائے مجیب کی تلاش کرے کیونکہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب تو ہر ایک کو حاصل ہے کوئی شئی جو اس کی پیدا کردہ ہے (اور کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کی پیدا کردہ نہ ہو) وہ اس سے دور نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ خالق ہے قیوم ہے اور ربّ ہے۔ غرض ایک قسم کا قرب تو ہر شے کو حاصل ہے۔ وہ ہر مخلوق (چاہے وہ انسان ہو یا غیر انسان) کو حاصل ہے۔ پھر انسانوں کے دو گروہ ہیں ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جنہیں قہر اور غضب کا قرب حاصل ہے اور یہ قرب ہمیں پسند نہیں۔ ہم اس پر راضی نہیں جب ہم سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب تو حاصل ہوا مگر قہر اور اس کے غضب کے کوڑے کے ذریعہ سے تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کس کی طبیعت چاہتی ہے کہ اسے اس قسم کا قرب حاصل ہو؟ دوسرا گروہ انسانوں کا وہ ہے جنہیں خدا تعالیٰ کی رحمت کا قرب ملتا ہے۔ یہ رحمت کا قرب جب کسی انسان کو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے تو وہ اس پر نہ صرف قریب ہونے کے رنگ میں اپنی صفات کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ مجیب ہونے کے جلوے بھی ظاہر کرتا ہے۔ انسان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں انسان کو اس کی ضرورتیں عاجزانہ راہوں کو اختیار کرنے اور متضرعانہ دعاؤں کے نتیجہ میں عطا کی جاتی ہیں۔ وہ جو کچھ مانگتا ہے اسے عطا کیا جاتا ہے۔ جب تک انسان کا تعلق قریب اور مجیب ربّ کے ساتھ نہ ہو اس وقت تک انسانی فطرت تسلی نہیں پا سکتی۔ اس وقت تک انسان کو روحانی مسرتیں حاصل نہیں ہو سکتیں کیونکہ روحانی مسرتیں انسان کو اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جب خدا کے قریب ہونے کے جلوے بھی ہوں اور مجیب ہونے کے جلوے بھی ہوں جب یہ تعلق قائم ہو جاتا ہے تو انسان خدا تعالیٰ کو ہر غیر سے زیادہ قریب پاتا ہے۔ وہ اسے ہر غیر سے زیادہ طاقتور اور محبت کرنے والا دیکھتا ہے۔ غیر تو انسان کی نظر میں محض ایک لاشی ہو جاتا ہے کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے پاتا ہے تو وہ کون غیر ہے جو اس سے پرے یا اس کے کناروں پر اسے نظر آ سکے کیونکہ خدا ایک عظیم ہستی ہے اس کا جلال تو انسانی درختِ وجود کی جڑیں جھنجھوڑ کے رکھ دیتا ہے۔ پھر اس کو غیر کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور نہ وہ غیر کو کچھ سمجھتا ہے۔ غیر سمجھتا ہے کہ میں بڑا طاقتور ہوں اور اگر چاہوں تو خدا تعالیٰ کی جماعت کو

مٹا سکتا ہوں لیکن وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کا جلال ہوتا ہے۔ وہ کسی ایسی راہ کو اختیار نہیں کر سکتے جو اس سے دور لے جانے والی اور اس کے غضب اور قہر کو بھڑکانے والی ہو۔ ان لوگوں کے سامنے خدا تعالیٰ کے حسن اور اس کے احسان کے جلوے ہوتے ہیں اور کسی غیر کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ روحانی جذبات کی تسکین کے لئے اس کا حسن موجود ہے اور ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرانے کے لئے اس کے احسان کے جلوے ہیں۔ پس نہ غیر کا خوف باقی رہتا ہے اور نہ غیر کی ضرورت باقی رہتی ہے جو شخص خود کو اپنے ربّ کی گود میں پائے تو کیا اسے کسی اور کی گود کی نرمی اور گرمی کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ یہی وجہ تھی کہ بہتوں نے خدا کے لئے اپنی ماؤں کو قربان کر دیا حالانکہ ان ماؤں کی گود کی نرمی اور گرمی میں انہوں نے اپنا بچپن گزارا تھا کیونکہ اس کے مقابلہ میں انہیں ان کے ربّ کی محبت زیادہ نظر آئی ہماری جماعت کے ہر فرد کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ تیسری قسم کا قرب حاصل کرے یعنی وہ اس ربّ کا قرب حاصل کرے جو اسے اپنی پوری عظمت اور جلال اور حسن و احسان کے ساتھ قریب بھی نظر آئے اور اپنی ساری طاقتوں اور قدرتوں کے ساتھ اسے مجیب بھی نظر آئے کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو تبھی ہم ہر قسم کی روحانی مسرتیں حاصل کر سکتے ہیں اور تبھی ہم ان لوگوں میں داخل ہو سکتے ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ

يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوحِیٓ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ (تذکرہ طبع چہارم صفحہ ۳۹)

نُوحِیٓ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ایسے لوگ تمہیں دیئے جائیں گے جن کا تعلق محبت اور تعلق قرب مجیب خدا کے ساتھ ہوگا اور صرف اسی صورت میں وہ بشارتیں ہماری زندگی میں پوری ہوں گی اور ان وعدوں کے ہم وارث بنیں گے جو بشارتیں اور وعدے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیئے تھے اور اس چیز کو پانے کے لئے اصولی طور پر استغفار اور توبہ کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنی میں استغفار کرنے اور اپنی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری تمام کمزوریوں کو ڈھانک کر اور نیکیوں کی توفیق عطا کر کے ہمارے وجود کو ایسا بنا دے کہ ہم میں بھی اس کے حسن و احسان کے جلوے نظر آنے لگیں تا ہم عاجز بندے اسی کے حسن اور احسان کے نتیجہ میں اس کی مخلوق کو اس کی طرف واپس لوٹا لانے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳۰؍اپریل ۱۹۶۹ء صفحہ ۳ تا ۵)